میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب :	میں اہلِ بیتؑ کی طرف بلاتا ہوں
مصنفہ :	نگہت ہاشمی
طبع اوّل :	ستمبر 2006ء
تعداد :	2100
ناشر :	النور انٹرنیشنل
لاہور :	E109/C، سٹریٹ 2، علی ویو، گلشن پارک، بیدیاں روڈ، نزد فوجی فاؤنڈیشن، کینٹ۔ فون: 574352 - 042
فیصل آباد :	103 سعید کالونی نمبر 1، کینال روڈ۔ فون: 8721851 - 041
بہاولپور :	7A، عزیز بھٹی روڈ، ماڈل ٹاؤن اے۔ فون: 2875199 - 062، 2885199، فیکس: 2888245 - 062
ملتان :	888/G/1، بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی، بوسن روڈ، گلگشت۔ فون: 6008449 - 061
ای میل :	alnoorint@hotmail.com
ویب سائٹ :	www.alnoorpk.com
بہاولپور :	ملک میں النور کی پروڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: مومن کمیونی کیشنز، 48-B، گرین مارکیٹ۔ بہاولپور فون: 2888245 - 062
مطبع :	پرنٹرز اینڈ پبلیشرز
قیمت :	25/- روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [108] وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [109] حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ [110] (سورہ یوسف)

”تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی، اور اللہ پاک ہے، اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ [اے نبی ﷺ!] تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے تھے وہ سب بھی انسان ہی تھے اور انہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے، اور انہی کی طرف ہم وحی

بھیجتے رہے ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان قوموں کا انجام انہیں نظر نہ آیا جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں؟ یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کیلئے اور زیادہ بہتر ہے۔ جنھوں نے [پیغمبروں کی بات مان کر] تقویٰ کی روش اختیار کی۔ کیا اب بھی تم لوگ نہ سمجھو گے''؟ [پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ مدتوں نصیحت کرتے رہے اور لوگوں نے سُن کر جواب نہ دیا] یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا، تو یکا یک ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی، پھر جب ایسا موقع آجاتا ہے تو ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جسے ہم چاہتے ہیں بچا لیتے ہیں اور مجرموں پر سے تو ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جا سکتا۔''

رب العزت فرماتے ہیں:

قُلْ ''کہہ دو''۔

دعوت دین یہی تو ہے

کہہ دینا، پہنچا دینا یعنی ابلاغ۔

ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ: کس چیز کا ابلاغ؟ کس چیز کی تبلیغ؟

پھر فرمایا:

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ ''یہ میرا راستہ ہے''۔

پھر ذہن میں سوال ابھرتا ہے: کون سا راستہ؟ کیسا راستہ ہے یہ؟

دراصل یہ اللہ کے شعور کا راستہ ہے،

اس کی ذات کی پہچان کا راستہ ہے،

اس کی ذات سے خوف کا راستہ ہے،

اس کی جواب دہی کے احساس کا راستہ ہے،

اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا راستہ ہے،

اس کی نافرمانیوں سے بچنے کا راستہ ہے۔

رب العزت فرماتے ہیں:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ ''کہہ دو، یہ میرا راستہ ہے''۔

یعنی میں نے اسے own کر لیا، میں نے تو اسے اپنا لیا ہے۔ اور اس راستے کی اہم کڑی اور سنگ میل یہ ہے کہ

اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ''میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں''۔

یعنی صرف علم اور عمل نہیں بلکہ دعوت بھی دیتا ہوں اور میری دعوت یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں کہ آؤ! اپنے مالک کو پہچان لو۔ آؤ! اپنے خالق کو پہچان لو۔ اُس کی ذات کا شعور حاصل کر لو، اُس کی گرفت کو اپنے اوپر محسوس کر لو، اُس کے خوف کے حصار میں آ جاؤ۔ آؤ! اُس خالق کے انصاف کے دن کے متعلق غور و فکر کر لو کہ کل کیا بیتنے والی ہے؟ اِس علم کو حاصل کر لو، اِس راستے پر چل نکلو، آخرت کی جواب دہی کے خوف کے تحت زندگی بسر کرو۔ اللہ تعالیٰ کے آگے پیش ہونے کے احساس کو ہر دم سامنے رکھو۔

سورہ یوسف کی اسی آیت کو مزید دیکھتے ہیں:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ

''تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا

ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی"۔

یعنی میں خود بھی اس روشنی کو پوری طرح سے محسوس کر رہا ہوں۔ یہ insight میں ہے، سب کچھ صرف زبان پر نہیں بلکہ جو میں تمھیں بتا رہا ہوں، اِسے میں نے خود پورے شعور کے ساتھ پایا ہے۔ یہی میرا مشن ہے جسے میں نے سمجھا ہے اور اب میں پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں۔

اور جو لوگ اس مشن میں شریک ہوئے، جنھوں نے اس روشنی کو اپنے اندر اتار لیا، وہ اب اِس روشنی کو پھیلانے کیلئے بے تاب ہیں۔

پیغمبر کا کام ایک اللہ کی طرف بلانا ہے، یہی اس کا مشن ہے۔ اس مشن کو وہ بصیرت کے ساتھ یعنی پورے طور پر سمجھنے کے بعد انجام دیتا ہے۔ جب ایک انسان بصیرت کے ساتھ غور و فکر کرتا ہے تو پھر وہ اس مشن کو پختہ ارادے (commitment) کے ساتھ اپنا لیتا ہے۔ کچھ لوگ محض تقلید کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ یہ کام کر رہے ہیں تو میں بھی ان کے پیچھے کر لوں۔ لیکن اگر محض تقلید کے طور پر کوئی اصول اپنایا جائے، تو چاہے وہ درست ہی کیوں نہ ہو، زیادہ دیر تک فائدہ نہیں دیتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دعوت کیلئے بصیرت کا ہونا ضروری ہے، insight ضروری ہے۔ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا نور ہونا ضروری ہے۔

اب ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ پیغمبرانہ دعوت کیا ہے؟

پیغمبرانہ دعوت انسان کو اس کے ربّ کے ساتھ جوڑنے کی دعوت ہے کہ ہر انسان کا دل اپنے اللہ کے ساتھ جڑ جائے، اس کا دل اللہ کی ذات کو محسوس کرنا شروع کر دے، اس کے خوف کے حصار میں آ جائے۔ پیغمبر کی دعوت بصیرت اور معرفت کے بعد ہوتی ہے۔ insight بھی، شعور اور پہچان بھی۔ پیغمبر پوری پہچان کے بعد اللہ کے راستے کی

طرف دعوت دیتا ہے۔

پیغمبر کے پیروکار کون لوگ ہیں؟

یہ بہت لطیف اور سمجھنے کی بات ہے کہ درحقیقت پیغمبر کے پیروکار بھی وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بصیرت کی سطح پر پالیں۔ جو اُس کی ذات کو پہچان لیں اور توحید کی سطح پر اس کا اعلان کریں۔ رب العزت فرماتے ہیں:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ

"تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔"

یعنی میں نے تمہیں جو پیغام دیا اور جس راستے کی طرف بلایا، وہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ میں اس راستے کی دعوت اس لئے دے رہا ہوں کہ میں نے اس کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور میں نے یہ محسوس کرلیا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی راستہ انسان کو امن وسکون دے ہی نہیں سکتا اور میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔ ساتھ بھی تو وہی دے سکتا ہے جو اس روشنی کے حصار میں آجائے اور اسی بصیرت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

لیکن بصیرت انسان کو کہاں سے اور کیسے ملتی ہے؟

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کا نور کیسے آتا ہے؟

بصیرت اللہ تعالیٰ کی راہنمائی سے ملتی ہے اور اُس کی رہنمائی کو اس انداز میں سیکھنے سے کہ راستہ پوری طرح سے روشن ہوجائے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم انسان پر کیسے واضح ہوتا ہے؟

انسان پر اللہ تعالیٰ کی کتاب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کیا حق ہے اور کیا ناحق۔ اس کے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ اُس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسا ہو؟ اس کا اپنی ذات سے کیسا تعلق ہو؟ اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ کیسا تعلق ہو؟ اس کی عبادات کیسی ہوں؟ اس کا اخلاق کیسا ہو؟ اس کے معاملات کیسے ہوں؟ وہ گھر کے اندر اور گھر کے باہر کیسے رہے؟ کیسے کمائے؟ کیسے خرچ کرے؟ اپنے اہل خاندان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے؟ حقوق وفرائض کی تقسیم کیسی ہو؟ اور دنیا میں انسانوں کو معاشرتی انصاف مہیا کرنے کا جو نظام اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے وہ اس کو بھی پوری طرح سمجھتا ہو۔ جو انسان ان ساری چیزوں کو سمجھ لیتا ہے، اُن پر غور وفکر کر لیتا ہے، اس کے اندر پھر کوئی گھٹن باقی نہیں رہتی۔ اس کو فقط یہی راستہ مناسب محسوس ہونے لگتا ہے۔

یہ ہے بصیرت اور یہ خود سے نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے آتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کیلئے جو طریقہ کار مقرر کیا ہے وہ سیکھنے اور سکھانے کا طریقہ کار ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ [بخاری:5027]

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے۔''

یہی دراصل بصیرت کی روشنی ہے اور یہی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔ صحیح معنوں میں قرآن تب سمجھ میں آتا ہے جب انسان قرآنی ماحول میں آتا ہے۔ ماحول کے بغیر اکیلے بیٹھ کر وہ کیفیات کبھی پیدا نہیں ہو سکتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی خاص ماحول میں ہی انسانوں کے دلوں میں حقیقت اتاری۔ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ ﷺ

کی مجلسوں میں موجود رہتے، آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں شریک ہوتے، ساتھ مل کر عبادت کرتے، جہاد کرتے، خدمت انسان کی کوششیں کرتے اور دعوتِ دین کا کام کیا کرتے۔ یہی اجتماعی زندگی کا طریقہ کار ہے۔ اس کے بغیر انسان قرآن کی سچی سمجھ حاصل نہیں کرسکتا۔ اُس کو بصیرت نہیں مل سکتی۔ ایک داعی جب یہ کہتا ہے کہ:

اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ط

"میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے بصیرت پالی اور ہم بصیرت اور بصارت کے ساتھ اس راستے پر چل رہے ہیں اور اسی بصیرت کے ساتھ چلنے کی دعوت ہم تم سب کو دے رہے ہیں، اس بارے میں اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں، نہ ہی کسی سے پوچھنے کی کوئی ضرورت ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ سچا راستہ اور صراط مستقیم یہی ہے، ہم اسے روشنی میں دیکھ رہے ہیں اور ہم اُسے ان تمام آلودگیوں اور نقائص سے پاک سمجھتے ہیں جن میں لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مبتلا کرتے ہیں یا جن میں لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ دوسرے شرکاء بھی ہیں۔

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ حق کی دعوت دینے والے ہر خوش بخت انسان کو یہ جان اور سمجھ لینا چاہیے کہ اسے دوٹوک بات کرنی ہے۔ اس آیت میں کتنی بڑی بات ہے کہ:

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ "یہ میرا راستہ ہے۔"

میرے راستے کے الفاظ میں کامل وضاحت ہے اور کسی قسم کا جھول نہیں ہے۔

اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰہِ ۣ "میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔"

یہ دوٹوک بات ہے کہ میں کسی اور کی طرف دعوت نہیں دیتا فقط اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اس سے ہم نے دو باتیں سیکھی ہیں:

1. داعی نے دوٹوک بات کرنی ہے۔

2. داعی نے یہ اعلان کرنا ہے کہ ہم ایک علیحدہ امت ہیں۔

وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ "جنھوں نے میری پیروی کی"۔

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک الگ گروہ ہے۔ یہ گروہ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے پیروکاروں کا ہے اور باقی تمام دنیا الگ ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو حق پر ہے۔ جو پوری بصیرت سے اپنا راستہ دیکھ رہا ہے۔ جو دوسروں کو بھی اس راستے کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ دعوت دینے والے نے دوٹوک اعلان کرنا ہے، برملا کہنا ہے، جھجکنا نہیں ہے، کسی قسم کا خوف محسوس نہیں کرنا، جرأت اظہار پیدا کرنی ہے۔ جرأت اظہار ہی سے انسان اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔

دعوت دینے والے نے کس بات کا اعلان کرنا ہے؟

اس بات کا کہ ہم ایک علیحدہ امت ہیں، ہم الگ ہیں اور آپ الگ۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ اعلان سورۃ الکافرون میں یوں دکھائی دیتا ہے:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ[6]

"آپ کیلئے آپ کا دین ہے اور میرے لئے میرا دین"۔

یہ ہے دوٹوک اعلان کہ مخالف کو بتا دیا جائے کہ آپ کا اور میرا طریقہ فرق ہے۔ میرا

وہ طریقہ ہے جسے میں بصیرت سے دیکھتا ہوں۔ اگر دعوت دینے والا لوگوں کے اندر ملا جلا رہے اور اس فرق کا دوٹوک اعلان نہ کرے تو اس کے اپنے ایمان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس لئے دوٹوک اعلان کرنا نہایت ضروری ہے کہ ہم ایک علیٰحدہ امت ہیں اور ان لوگوں سے بالکل جدا ہیں جو ہمارے عقائد اور نظریات کو تسلیم نہیں کرتے [یا اگر تسلیم کرتے بھی ہیں تو مکمل نہیں مانتے] اور یہ اعلان کہ ہم ان لوگوں سے بالکل جدا ہیں جو اس قیادت کو تسلیم نہیں کرتے جو ہماری قیادت ہے۔ اب ہم اُسی کو اپنے میں سے سمجھیں گے جو ہماری قیادت کو تسلیم کرے، یعنی جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھی آپ ﷺ کی قیادت کو تسلیم کرنے والے تھے اور جو اسے تسلیم نہیں کرتا وہ اس گروہ میں شامل نہیں۔ اس قیادت کے تحت آئیں گے تب آپ کا دین قابلِ قبول ہے ورنہ نہیں۔ یہاں قیادت سے مراد قیادتِ صالحہ ہے، جہاں کہیں بھی ہو اور جس انداز میں بھی ہو۔ جب لوگ صالح قیادت کے تحت آتے ہیں تب ان کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔ ایک دعوت دینے والے کو برملا کہہ دینا چاہیے اور اس کا طرزِ عمل جاہلانہ معاشرے سے بالکل الگ نکھر کر واضح نظر آنا چاہیئے۔ اس کا طرزِ عمل ملا جلا نہ ہو کہ:

ع دوستی بت سے ہے، کعبے سے شناسائی بھی

یوں کام نہیں چلے گا جب تک کہ اس کے پورے طرزِ عمل میں تبدیلی نہ آجائے اور وہ جاہلانہ معاشرے سے نکھر کر بالکل الگ نہ ہو جائے۔ دعوتِ دین دینے والوں کا فریضہ محض اتنا نہیں کہ وہ دعوتِ دین کا حق ادا کریں اور پھر اپنے اردگرد پھیلے ہوئے جاہلانہ معاشرے میں گھل مل جائیں اور اپنے اُسی طرح کے رسوم و رواج اور طور طریقے بھی اپنی زندگی میں جاری رکھیں۔ جو شخص جاہلانہ رسوم و رواج کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے، وہ نہ خود دین پر ہے اور نہ ہی دین کا نمائندہ ہو سکتا ہے۔ جو اپنے جاہلانہ معاشرے کی اقدار کو قبول کرتا ہے وہ

صراط مستقیم سے ہٹ چکا ہے، اب اس کا صراط مستقیم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔

اگر ہم جاہلانہ معاشرے کے ان رسوم ورواج کو اپنے معاشرے میں دیکھنا چاہیں تو چھوٹے بڑے ہر پیمانے پر یہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جیسے ہمارے معاشرے میں تقاریب کا انداز ہے کہ ایک طرف عید بھی منالی اور ساتھ بسنت بھی منالی، قربانیاں بھی دے لیں اور ساتھ ہی ویلنٹائن ڈے بھی منالیا، نمازیں بھی ادا کرلیں تو دوسری طرف میوزیکل ایوننگز میں بھی شرکت کرلی، ایک طرف اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرلی اور دوسری طرف اپنے سودی کاروبار اور رشوت خوری کو بھی جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا ایمان مطلوب نہیں، اسے تو خالص اور کھرا ایمان مطلوب ہے جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو، جس میں جاہلانہ رسوم ورواج کی کوئی کھوٹ شامل نہ ہو۔

کوئی فرد اگر اپنے گھر والوں اور اپنی سوسائٹی کے دباؤ کے تحت اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹتا اور جاہلانہ رسوم ورواج کو قبول کرتا ہے تو دراصل وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹ گیا اور اب وہ صراط مستقیم پر نہیں ہے۔ اب اگر اس کی واپسی رب العزت کی طرف اسی حالت میں ہوجاتی ہے تو وہ صراطِ مستقیم پر، جنت کے راستے پر واپس نہیں گیا بلکہ اس نے جنت کو چھوڑ کر جہنم کا سودا کیا، چاہے اس نے جاہلانہ معاشرے کا ساتھ وقتی طور پر ہی کیوں نہ دیا ہو۔ عموماً یہ بات سننے میں آتی ہے کہ چلو صرف اس موقع کی بات ہے، جب یہ موقع گزر جائے گا تو پھر ہم اچھے بن جائیں گے۔۔۔ مگر اس موقع پر ہی تو دین داری کو ثابت کرنا تھا۔ داعی کیلئے اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اس کیلئے صرف فرمانبرداری کا موقع ہے اور اگر وہ یہ راستہ چھوڑتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے جنت کا راستہ، اپنے رب کا راستہ چھوڑ دیا۔ چاہے ساتھ ساتھ وہ نمازیں پڑھے، چاہے روزے رکھے، چاہے حج کرے، چاہے زکوٰۃ دے، چاہے رشتہ داروں سے حسن

سلوک کرے مگر وہ رب کے راستے پر نہیں ہے۔اس کی نیکیوں اور صدقات کے پہاڑ بھی اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ طریقہ کار قبول نہیں ہے کہ ایک انسان اُس کے رنگ پر اس معاشرے کا رنگ چڑھا لے۔

ہر دعوت دینے والے کو صاف صاف اعلان کرنا ہے۔کل اگر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے یہ اعلان کیا تو آج جو بھی اللہ کے رسول ﷺ کے راستے پر ہے اسے یہ اعلان کرنا ہے کہ اس کا جاہلانہ رسوم ورواج سے کوئی تعلق نہیں، وہ جاہلیت سے ہٹ کر اسلام کے راستے کا انتخاب کر چکا ہے جس پر اب وہ کوئی سودے بازی نہیں کرے گا۔ چاہے وہ سودے بازی والدین کروانا چاہیں، شوہر کروانا چاہے، بیوی کروانا چاہے، یا معاشرے کے دیگر افراد۔ اسلام پر کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔اب اگر کوئی ربّ کے راستے پر رہنا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ ''کہہ دو یہ ہے میرا راستہ۔''

یہ راستہ ہے جس پر کوئی سودا نہیں ہوسکتا۔

اور اسی طرح داعی کا یہ بھی فرض ہے کہ جب وہ خود اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دے رہا ہے اور اُس جیسے بہت سے اور لوگ بھی ہیں تو پھر وہ ایک تنظیم کی بنیاد رکھ لیں اور ایک اسلامی قیادت کے نام سے، اسکے عنوان سے خود بھی منظم ہوں اور دوسروں کو بھی منظم کریں۔اور اگر کوئی ایسی تنظیم موجود ہے تو اس میں شمولیت باقی لوگوں کا فرض ہے۔ اکیلے اکیلے یہ دعوت کبھی بارآور نہیں ہوسکتی ہے۔ منظم ہو کر ہی دین کی دعوت دی جا سکتی ہے تاکہ معاشرے کی اصلاح ہوسکے۔اس طریقہ کار کا علم ہمیں رسولوں کی زندگی سے ہوتا ہے۔

یہ گروہ جب منظم ہوگا تو جاہلانہ معاشرے کے تمام افراد سے مختلف ہوگا اور اسکی

قیادت بھی دوسری قیادتوں سے مختلف ہوگی۔اس میں جاہلانہ قیادت کے کوئی آثار نہیں پائے جائیں گے۔ یہ قیادت بھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہوگی۔

کسی بھی ایسے معاشرے میں گھل مل جانا، جس کے اندر جاہلانہ رسوم ورواج ہوں اوران کے تحت زندگی بسر کرنا، انسان کے اندر کی ایمانی قوت کوٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ سوال اکثر ذہنوں میں آتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ لوگ دین سیکھتے ہیں مگر جلد ہی ان کے اندر سے ایمان اُٹھنا شروع ہوجاتا ہے؟

دراصل لوگ دین سیکھتے ہیں اور دین پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں۔ کچھ عرصے تک تو وہ ٹھیک رہتے ہیں لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد جب وہ اسلام کے خلاف باطل جاہلیت کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے ہیں تو ان کی زندگی سے ایمان اٹھنا شروع ہوجاتا ہے اور بالآخر وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ باطل کے ساتھ سمجھوتہ [compromize] انسان کے اندر کی ایمانی قوت کوٹھنڈا کر دیتا ہے۔ ایسا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اسلام کا یہ مزاج ہی نہیں ہے کہ وہ باطل کے ساتھ سمجھوتہ کر لے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ ایک وقت میں دن اور رات اکٹھے ہوجائیں۔ کبھی یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ سورج اور چاند ایک وقت پر نکل آئیں۔ اللہ تعالیٰ کی کائنات پر غور کر کے دیکھیں، متضاد چیزوں کو آپس میں نہیں ملایا گیا حتیٰ کہ جن پھلوں کی خصوصیات مختلف ہیں، ان کے موسم بھی مختلف ہیں۔ ان کیلئے زمینی اور دیگر ضروریات بھی مختلف ہیں۔ بالکل اسی طرح جاہلیت کا پودا اور اسلام کا پودا ایک دل کے اندر بیک وقت نہیں لگ سکتا۔ ایک انسان کے اندر یا تو ایمان فروغ پائے گا یا پھر جاہلیت۔

اب فیصلہ ایک مسلمان کو، ایک دعوت دینے والے کو خود کرنا ہے کہ اس کے اندر جاہلیت پروان چڑھے گی یا اسلام؟ اس کو نکھر کر الگ ہونا ہی ہے۔ اگر جاہلانہ معاشرے

کے ساتھ سمجھوتہ کیا تو اس کا نتیجہ یہی ہے کہ انسان خود بھی اسی جاہلیت میں ڈوب جائے۔ فرمایا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ ''کہہ دو یہ میرا راستہ ہے۔''

سچے اور خالص اسلام کا راستہ۔ خالص اللہ کے رسول ﷺ کا راستہ۔

اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ط ''میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔''

یعنی میں کوئی اور جھنڈا اونچا نہیں کرتا، کسی کی ذات کو اونچا نہیں کہتا، فقط اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہے، میں تو اُسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کے ساتھ رشتہ جوڑتا ہوں۔ یعنی ہمیں اُسی کی طرف دعوت دینی ہے۔ ہم بے عمل نہیں، صاحب عمل ہیں۔ جو جانا اور سمجھا ہے، جس پر عمل کیا ہے، جسے حق جانا ہے اسی کی دعوت لے کر اٹھے ہیں۔ دعوت دین کے تین بنیادی اصول ہیں:

☆ علم

☆ عمل

☆ دعوت

اگر فقط دعوت ہے، علم اور عمل نہیں ہے تو ایسی دعوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ رب العزت قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ [الصف 3-2]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں

ہو۔"

صاحب عمل ہونا پہلی ضرورت ہے اور عمل اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایک انسان کے پاس علم نہ ہو، جب تک اس کو پوری سمجھ نہ ہو۔ اس آیت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ

عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ط

"میں خود بھی پوری روشنی میں ہوں اور میرے ساتھی بھی۔"

یہ روشنی، علم کی روشنی ہے۔ خدا کی دی ہوئی ہدایت کی روشنی ہے۔

جو لوگ جاہلانہ معاشرے میں رہتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چلو کوئی بات نہیں، کچھ ان کی مان لو، کچھ اپنی مان لو، رہنا تو ہے ہی، مل جل کر رہیں گے، نرم انداز میں تبلیغ کریں گے تو اس انداز سے لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہونی شروع ہو جائیں گی۔ یہ اسلام کا مزاج نہیں ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کے راستے کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہم بدل جاتے ہیں، لوگ نہیں بدل سکتے، بلکہ ہم ہی آہستہ آہستہ ان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ اسلام ایسی نرم تبلیغ نہیں چاہتا، کوئی ایسا انداز نہیں چاہتا جہاں دوسروں کے ساتھ مل کر شیطان کے راستے پر سمجھوتہ کر لیا جائے۔ سمجھوتہ اسلام کا مزاج نہیں ہے، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ جس نے حق کو قبول کیا ہے وہ یوں قبول کرے:

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" "کوئی الٰہ نہیں سوائے اللہ کے۔"

کوئی سمجھوتہ [compromise] نہیں۔ چونکہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچانا ہے لہٰذا اسی کی طرف بلانا ہے، اسی کے حکم کی پیروی کرنی ہے۔ لا الٰہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بات نہیں، کسی کی ذات نہیں، کسی کا دباؤ [pressure] نہیں، کوئی

نظام نہیں۔۔۔اِلّا اللہ سوائے اللہ کے۔اُس کی ذات کے سوا کسی کا کوئی حکم نہیں مانیں گے۔کاروباری ضروریات کو اللہ کے معاملے میں آڑے نہیں آنے دیں گے۔مثال کے طور پر ایک طرف اذان ہے اور دوسری طرف کاروبار۔کاروبار الٰہ نہیں ہے، نہ ہی گاہک الٰہ ہے۔اللہ کی پکار پر یوں لبیک کہنا ہے کہ باقی تمام کام روک کر، ختم کر کے، پیچھے ڈال کر اُس کی پکار پر حاضری دینی ہے۔اللہ کی پکار ہے تو پھر اور کوئی نہیں۔آگے پیچھے سارے حلال معاملات جاری رہیں گے لیکن اللہ کی پکار پر ضروری ہے کہ اس انداز میں لبیک کہا جائے کہ ہر چیز کو پس پشت ڈال دیا جائے۔

حیرت انگیز مشاہدے کی بات ہے کہ ایمان والے لوگوں کا کاروباری لین دین ہو تو چاہے بڑے سے بڑا سودا ہی کیوں نہ ہو رہا ہے، اذان کی، اللہ اکبر کی آواز پر ہر معاملہ stopped۔اور برملا اظہار اور ردعمل کہ اب باقی معاملات بعد الصلوٰۃ ہوں گے۔یعنی پہلے نماز، اس سے پہلے کچھ نہیں۔یہ ہے وہ دین جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، اس میں سمجھوتہ نہیں ہے۔جہاں کہیں سمجھوتہ ہوگا دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان نہیں ہوگا۔جہاں سمجھوتہ ہوا، وہیں ایمان میں کھوٹ ملنا شروع ہو جائے گا۔جاہلانہ معاشرے میں گھل مل کر اور اس جیسے طور طریقے اختیار کر کے پھر بھی جو لوگ اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ مثبت نتیجے تک پہنچ جائیں وہ دراصل غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ان کی کوششیں چاہے سینکڑوں سال کی ہوں اور چاہے وسیع پیمانے پر ہوں ان سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

ایک اور غور طلب بات یہ ہے کہ

ایسا کیوں ہے کہ جو شخص جاہلانہ طریقہ کار اختیار کرتا ہے، وہ برملا اور بے خوف ہو کر لوگوں کے سامنے آتا ہے، بے حیائی کا راستہ اختیار کر کے اسے کوئی خوف نہیں

کہ کوئی مجھے کچھ کہے گا۔ اسے نہ اپنا سینہ کھولتے ہوئے کوئی خوف ہے، نہ بازو، نہ پیٹ، نہ ٹانگیں، نہ ٹخنے، اسے پتہ ہے کہ میں نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے مجھے اس کا برملا اظہار کرنا ہے۔ جو انسان کسی شیطانی راستے پر ہو یا اس کا تعلق کسی بے حیائی کی تنظیم سے ہو، وہ اپنے آپ کو متعارف کراتے ہوئے کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ وہ اپنے کسی طرز عمل کے بارے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتا۔

تو کیا صرف اسلامی طریقہ کار ہی شرمندہ ہونے کیلئے ہے؟

کہ انسان اسلام پر شرمندگی محسوس کرے۔ اُسے تو اس بات پر شکر اور فخر کرنا چاہیے کہ اللہ ربّ العزت نے اُسے اسلام کے راستے پر چلنے کا موقع دیا۔ بندہ مومن اس کا اظہار دوسروں کے سامنے کیوں نہ کرے؟ یہ اظہار کہ میں اسلام کے راستے پر ہوں۔ میرا فلاں اسلامی تنظیم سے تعلق ہے اور اس تنظیم کے ساتھ منسلک ہونے کے باوجود اصلاً میں اپنے اللہ ہی کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ یہ تنظیم تو اللہ کی دعوت کو تیز کرنے، بڑھانے اور منظم کرنے کیلئے ہے۔ کوئی اگر اپنے مسلمان ہونے پر شرمندہ ہے، اپنی کسی اسلامی قدر پر شرمندہ ہے، کسی کے سامنے برملا اظہار نہیں کر سکتا یا اگر اظہار کر بھی لے تو سبکی محسوس کرتا ہے، تو اسے اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیے کہ اسے خدا سے زیادہ دوسروں کا خوف کیوں ہے؟

اہل اسلام کو چھپ چھپا کر نہیں، برملا دین کا کام کرنا ہے اور اسی طریقہ کار کے مطابق کرنا ہے جو اللہ رب العزت نے بتایا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

”تم ان سے صاف کہہ دو یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔

میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔
اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

یعنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے حکم کے ساتھ کسی اور کا حکم ملانے والا نہیں ہوں، میں اللہ کے دیئے ہوئے طریقہ کار کے ساتھ کسی اور کا طریقہ ملانے والا نہیں ہوں، کیونکہ جہاں ملاوٹ ہوگئی وہاں انسان نے گویا دوسرے کی بالادستی قبول کرلی اور دوسروں کی بالادستی کو قبول کرلینا، انہیں اللہ کے مقابلے میں بڑا سمجھنا، یہی تو شرک ہے۔

پھر فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا

"ہم نے اس سے پہلے بھی جو پیغمبر بھیجے تھے، وہ سب انسان ہی تھے۔"

حق کے راستے پر چلنے کیلئے انسانوں کے ذہنوں میں شیطان کی طرف سے ایک اکساہٹ یا وسوسہ یہ ڈالا جاتا ہے کہ وہ پیغمبر تو بڑے لوگ تھے، وہ تو اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، ان پر تو اُس کا دست شفقت تھا، وہ تو اتنے بڑے کام کرسکتے تھے مگر ہم نہیں کرسکتے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اُن کے اندر بھی انسانی خصوصیات موجود تھیں، انہیں بھی خوشیاں ملتی تھیں تو وہ خوش ہوتے تھے، دکھ پر غم زدہ بھی ہوتے تھے، وہ بھی امید و ناامیدی کے بین بین رہتے تھے، ان کے اندر بھی ویسی ہی خصوصیات تھیں جیسی ہمارے اندر موجود ہیں۔ مثلاً جیسے ہمارے اندر سستی در آتی ہے اسی طرح ان کے اندر بھی سستی پیدا ہوسکتی تھی اور جیسے ہم انسان ہیں، ہماری انسانی خواہشات، جذبات، ضروریات، احساسات ہیں، ایسے ہی معاملات تو ان کے ساتھ بھی تھے۔

سب رسول اگر انسان ہی تھے تو پھر ان میں اور ہم میں فرق کیا ہے؟ ربّ العزت

فرماتے ہیں:

نُوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ ''ہم ان کی طرف وحی بھیجتے رہے ہیں۔''

یعنی ان کے اور ہمارے مابین فرق یہ ہے کہ ان کے پاس براہ راست اللہ تعالیٰ کی تعلیم، اُس کی وحی آئی اور ہمارے پاس اِن کے توسط سے آئی۔ اب وحی ہمارے پاس بھی ہے اور ان کے پاس بھی۔ لیکن ان کے کردار کے اندر جو مضبوطی اور پاکیزگی تھی وہ ان کی ذاتی کوششوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ذاتی کوشش کرنا لازم ہے، اس کے بغیر اللہ کے رسولوں کو بھی وہ مقام نہیں ملا۔

حضرت یونس ﷺ کی مثال دیکھئے، انھوں نے اپنی قوم میں دعوت وتبلیغ کا سلسلہ مستقل جاری رکھا، اپنی اور اپنی قوم کی اصلاح کرتے رہے اور فقط ایک غلطی سرزد ہوئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ آچکا تھا لیکن ابھی یہ طے نہیں ہوا تھا کہ یونس ﷺ کب اس بستی کو چھوڑ کر نکلیں گے۔ انہوں نے کچھ جلدی کی اور اللہ ربّ العزت کا حکم آنے سے پہلے ہی اس بستی کو چھوڑ کر نکل گئے۔ کشتی میں سوار ہوئے، جب کشتی سمندر کے بیچ میں پہنچی تو ہچکولے کھانے لگی۔ اب طے یہ پایا کہ ایک فرد کو کشتی سے اتار دیا جائے۔ قرعہ نکالنے کی تجویز دی گئی۔ ہر بار یونس ﷺ کے نام کا قرعہ نکلتا۔ دراصل وہ اللہ کے حضور پکڑے گئے تھے۔ انسان بھاگ کر جا بھی کہاں سکتا ہے؟ ہر جگہ تو اللہ کی ذات ہے۔ ہر زمین اللہ تعالیٰ کی زمین ہے، جس فضا میں ہم سانس لیتے ہیں وہ اُسی کی دی ہوئی ہے، اِس پر اُسی کا حکم چلتا ہے، اُس کی زمین کو چھوڑ کر کہاں جائیں؟ جہاں بھی جائیں حکم اسی کا ہے۔ یونس ﷺ کو پانی کے حوالے کیا گیا تو مچھلی منہ کھولے ہوئے تھی اور آپ ﷺ مچھلی کے پیٹ میں جا پہنچے۔ گہری تاریکی میں اس کے پیٹ سے انہوں نے پکارا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ [الانبیآء:87]

''تیرے سوا کوئی نہیں جس کا حکم مانا جائے تیری ذات پاک ہے، یقیناً میں ظالموں میں سے ہوں۔''

اس دعا سے یہ پتہ چلتا ہے کہ:

اِنِّیْ یعنی [پیغمبر ہونے کے باوجود] 'میں' ظالموں میں سے ہوں۔ تیری ذات پاک اور تیرا حکم ماننے کے لائق ہے، میں نے نہ مان کر غلطی کی۔ اس اعتراف پر اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا اور انہیں مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔ غلطیاں پیغمبروں سے بھی ہو سکتی تھیں، لیکن انہوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کر دیئے۔

ربّ العزت فرماتے ہیں کہ پہلے رسول بھی انسان ہی تھے۔ ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے اور ان کی خاص بات یہ ہے کہ وہ بھی انہی بستیوں کے رہنے والے تھے، پھر انھی بستیوں کے رہنے والے بستی والوں سے برتر کیسے ہو گئے؟

وہ اپنے عمل کی وجہ سے برتر ہوئے۔

تو رب العزت فرماتے ہیں:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

''کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں؟ کیا ان قوموں کا انجام ان کو نظر نہ آیا جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں؟''

کیا انہیں اپنے راستوں میں وہ قومیں کبھی دکھائی نہیں دیں جو برباد ہو چکیں؟ سابقہ

لوگوں کے واقعات میں آئندہ آنے والوں کیلئے عبرت ہوتی ہے جس سے انسان نصیحت حاصل کرتا ہے۔اہل عرب جب اپنے تجارتی سفروں پر جاتے تھے تو عذاب رسیدہ بستیاں ان کے راستے میں آتی تھیں۔پاکستان میں بھی عبرت حاصل کرنے کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔بات ٹیکسلا کی ہو،موہن جودڑو کی یا ہڑپہ کی،ایک قدر ان تینوں بستیوں میں مشترک ہے اور وہ ہے شرک۔ان کے بتوں کو دیکھ کر ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم تہذیب میں لوگوں سے کیا غلطیاں ہوئیں۔گندھارا آرٹ کے بتوں کے انبار لاہور میوزیم میں نظر آتے ہیں،ان بتوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا۔

جب ان قوموں کو اللہ تعالیٰ نے برباد کر کے رکھ دیا تو کیا آج ہم اپنی مرضی کا طریقہ کار اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں نہیں آسکتے؟ کیا اُس ربّ نے یہ نہیں کہا کہ:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ[سورۃ الرحمٰن:34]

''اے گروہ جن وانس!اگر تم زمین اور آسمانوں کے کناروں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو۔نہیں بھاگ سکتے۔اس کے لئے بڑا زور چاہیے۔''

یہ انسان کی قدرت ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون سے باہر نکل جائے۔ایک انسان اگر دنیا میں نافرمانیاں کر کے خدا کے قانون سے باہر نکلتا ہے تو پھر وہ خدا کے عذاب کا مستحق ہو کر رہے گا۔

جب ہمارے لئے کوئی جائے فرار نہیں ہے تو پھر ہم اس راستے کو کیوں نہ اختیار کریں جس کو رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا،جس کا انجام جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

وہ راستہ کون سا ہے؟

وہ علم، عمل، اور دعوت کا راستہ ہے۔

وہ تنظیم کا راستہ ہے۔

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے نظام سے متعارف کرانے کا راستہ ہے۔

دعوتِ دین اور دین کے غلبے کا راستہ ہے۔

اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

"کیا انہیں ان قوموں کا انجام نظر نہیں آیا جو پہلے چلتے پھرتے تھے؟"

یہ اگر چلتے پھرتے تو انہیں پتہ چلتا کہ یہ بستیاں رسولوں کو جھٹلا کر کیسے برے انجام کو پہنچیں۔ یہ کیسی بستیاں تھیں؟ ان کا علم، افکار، تہذیب، ثقافت، چلت پھرت، عروج، سب کچھ کہاں گیا؟

کہاں ہے فرعون؟

کہاں ہے نوح علیہ السلام کی قوم؟۔۔۔۔۔غرق ہو گئے ناں!

کہاں ہے لوط علیہ السلام کی قوم؟۔۔۔۔۔برباد ہو گئی ناں!

کہاں ہیں عاد اور ثمود کی بستیاں اور ان کے رہنے والے؟

وہ سب کس بنیاد پر برباد ہوئے؟

وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر برباد ہوئے۔

انہوں نے رسولوں کی بات نہیں مانی۔

انسان جب غور و فکر کرتا ہے تو اس کا دل دہل کر رہ جاتا ہے اور وہ اندر سے لرز جاتا

ہے۔غافلوں کا انجام آنکھوں کے سامنے دیکھ کر غافل سے غافل انسان کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اگر ہم آج ایسی صورتحال کو دیکھنا چاہیں تو ان بستیوں کو دیکھ لیں جنہیں اللہ ربّ العزت کے حکم پر آنے والے زلزلے نے گھیر لیا۔ پھر محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے کیسی عافیت میں رکھا ہوا ہے مگر ہم اس کو اپنے لئے رحمت خیال نہیں کر رہے، نہ ہی اس عافیت میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر رہے ہیں، دراصل ہم اپنی زندگی کے مقصد کو پورا نہیں کر رہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بتا دیا کہ دیکھو پہلے رسول بھی انسان تھے، انہوں نے بھی بستیوں والوں کو اللہ کی دعوت دی لیکن جب انہوں نے جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے بستیاں برباد کر دیں۔ تم دیکھنا چاہتے ہو تو تم بھی دیکھ لو ایک ہی نتیجہ ملے گا۔

پھر اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [109]

''یقیناً آخرت کا گھر تقویٰ والوں کیلئے بہترین ہے۔ کیا تم عقل سے بالکل کام نہیں لیتے؟''

جنت تقویٰ کا بدل ہے، تقویٰ کے نتیجے میں کل کی جنت ملنے والی ہے۔ جو بستیاں ہلاک کی گئیں وہ اپنے اوپر کیسا زعم رکھتی تھیں کہ ہمارا طریقہ کار بالکل درست ہے۔ پیغمبر نے جو بات کہی اس کو قبول کرنا بالکل غلط ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جب عذاب سے دوچار کی گئیں تو کچھ بھی نہ بچا، فقط پیغمبروں کی دعوت بچ گئی۔ اس کا تسلسل آج بھی جاری و ساری ہے۔

سورہ یوسف میں ہی اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْــَٔـسَ الرُّسُــلُ وَظَنُّـوْۤا اَنَّهُـمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ

"[پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ مدتوں نصیحت کرتے رہے اور لوگوں نے سُن کر جواب نہ دیا] یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا، تو یکا یک ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی، پھر جب ایسا موقع آجاتا ہے تو ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جسے ہم چاہتے ہیں بچا لیتے ہیں اور مجرموں پر سے تو ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جا سکتا۔"

یہاں پر رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان کے مخاطب ایک وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اس انکار پر پیغمبر کی کیفیت کیسی کربناک ہوئی۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو پیغمبر کے راستے پر چلے۔ یعنی جو لوگ سیدھے راستے پر آجاتے ہیں ان کا معاملہ فرق ہے اور جو اس راستے کو قبول نہیں کرتے ان کا معاملہ فرق۔ ایک گروہ تو راہ حق پر چلنے والا ہے اور دوسرا اس راستے سے فرار اختیار کرنے والا ہے۔

یہ بات توجہ طلب ہے کہ راہ حق پر چلنے والا اکیلا کبھی نہیں چلتا، وہ اپنے ساتھ ان لوگوں کو لے کر چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دی جانے والی دعوت قبول کر لیتے ہیں۔ دعوت قبول کر لینے والا یقیناً خوش بخت ہے لیکن حالات جب شدت کی سختی اختیار کر جائیں تو مسلسل دعوت بھی اپنا اثر لے کر نہیں آتی۔ ایسے موقع پر مایوسی گھیرے میں لے سکتی ہے۔

ایسی ہی کیفیت کا اظہار قرآن کی ان آیات سے ہورہا ہے کہ:

حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ

''یہاں تک کہ پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے۔''

یعنی انہیں یہ محسوس ہوا کہ اب یہ بات بننے والی نہیں۔اب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو نہیں مانیں گے اور لوگوں نے یہ گمان کیا کہ سب جھوٹ ہے یعنی لوگ اپنی ہٹ دھرمی کی انتہا تک پہنچ گئے۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی۔

یہاں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کب آتی ہے۔رسولوں کی زندگیاں بڑی کربناک تھیں۔سارے رسول ہی شدید مشکلات سے دوچار رہے، کھلی ہٹ دھرمی اور سخت حالات کا مقابلہ کرتے رہے، چاہے لوگوں نے شب وروز انکار کا سلسلہ جاری رکھا مگر انھوں نے پھر بھی اللہ کی طرف بلانا نہیں چھوڑا اور ان کی دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل ایمان بہت تھوڑے تھے جبکہ حق کا انکار کرنے والے بہت زیادہ تھے۔

جب مسلسل دعوت دی جاتی ہے تو عجیب سی صورت حال ہو جاتی ہے۔جو لوگ حق کو مکمل طور پر قبول نہیں کرتے، دعوت دے دے کر ان کے شعور کو بھی کسی حد تک بیدار کر دیا جاتا ہے، اب چاہے وہ حق کو نہیں مانتے مگر اپنے طریقہ زندگی کے بارے میں بھی ان کا اطمینان رخصت ہو جاتا ہے۔حق کی دعوت کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کے اندر جہالت اور خدا کی نافرمانی پر برقرار رہنے کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔یعنی اگرچہ وہ برائی چھوڑتے نہیں ہیں لیکن۔۔۔۔۔باطل ہانپتا ضرور ہے۔

جب لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے کو قبول نہیں کرتے تو ایسے موقع پر پیغمبر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! اب آپ کی مدد آجائے۔پھر جب اللہ کی مدد میں تاخیر ہوتی ہے،

تو دلوں میں وسوسے آتے ہیں کہ شاید میری دعوت کو مسترد کر دیا گیا اور مجھے بھی کامیابی نہیں ملی۔ کوئی بھی رسول جب اس طرح کے حالات سے دوچار ہوتا ہے اور کرب اور اذیت کی شدت ناقابل برداشت ہو جاتی ہے، تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آ جاتی ہے۔

سورہ البقرہ کی آیت کو ذرا اپنے سامنے رکھئے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ [سورہ البقرہ 214]

''پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر مصیبتیں آئیں، تکلیفیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہلِ ایمان چیخ اٹھے کہ کب آئے گی اللہ تعالیٰ کی مدد؟ [اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ] خبردار رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔''

حضرت خباب بن ارت ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی جب کہ آپ ﷺ خانہ کعبہ کے سائے میں ایک چادر کا تکیہ بنائے استراحت فرماتے تھے۔ ہم نے کہا: آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیوں نہیں فرماتے، ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حالانکہ سوال کرنے والے شخص نے قربانی دی تھی، اس کو انگاروں پر لٹایا گیا تھا، اس کی چربی پگھلی تھی، اس کے حالات خراب ہوئے تھے مگر جب اس نے یہ سوال کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

''کیا تمہیں پہلے لوگوں کے حالات پتہ نہیں چلے؟ جنھیں گڑھا کھود کر اس میں کھڑا کر دیا جاتا، پھر اس کے سر پر آرہ چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے، جن کے گوشت کو لوہے کے کنگھوں سے ادھیڑا جاتا تھا۔ [تم ابھی سے گھبرا گئے ہو؟] [بخاری 3612]

یہی بات اللہ ربّ العزت نے یہاں فرمائی ہے کہ رسولوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور پہنچتی ہے لیکن اس کا طریقہ کار فرق ہے۔ یہ مدد اس وقت پہنچتی ہے جب رسول اپنا کام مکمل کر چکے ہوتے ہیں۔ جب انسانی کوششوں کا اختتام ہو چکا ہوتا ہے تب اللہ کی مدد آتی ہے۔ پھر اس کی جانب سے ایسی نصرت آتی ہے کہ جس کی وجہ سے دین کی دعوت و اقامت کا کام یا تو آسان ہو جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ دعوتِ دین دینے والے اپنے بندوں کو بچا لیتا ہے اور باقی سب پر عذاب لے آتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موقع آجائے تو پھر وہ ٹالے نہیں ٹل سکتا، ایسے موقع پر ایمان والوں کو بچا لیا جاتا ہے۔ دعوت اسلامی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ کار یہی ہے۔

دعوت الی اللہ کے راستے میں ہم کیا کریں؟

ہمیں اپنے لئے کچھ باتیں طے کر لینی چاہئیں اگرچہ یہ باتیں پہلے سے طے شدہ ہیں لیکن اب ہمیں اپنے ذہن میں بٹھانی ہیں تاکہ پھر کسی صورتحال پر دل گھبرائے نہیں، پریشان نہ ہو۔ یہ جان لیں کہ اس راہ میں مشکلات ضرور آئیں گی اور اگر مشکلات نہیں آتیں تو جان لیجیے کہ دعوت سچی نہیں ہے، اس راہ میں مشکلات کا آنا اور کربناک حالات سے دوچار ہونا ضروری ہے۔

مشکلات کس وقت تک آتی رہیں گی؟

جب تک کہ اسلامی تنظیم کے سارے افراد یعنی اسلام کو لے کر اٹھنے والے سارے

افراد اپنی پوری قوتیں اس راہ میں جھونک نہیں دیتے۔

یہ قوتیں کون سی ہیں؟

اپنی عقل، اپنی صلاحیت، اپنا مال، اپنی اولاد، اپنی رشتہ داریاں، اپنا وجود، سب کچھ۔ جب تک یہ سب اس راستے میں جھونک نہیں دیتے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں آتی۔ جب وقت اور طاقت کا پورا حصہ خرچ ہو جائے اور وہ ظاہری اسباب جن پر لوگ تکیہ کرتے ہیں بالکل ختم ہو جائیں، تب اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصرت آتی ہے۔ دعوت کا طریقہ کار یہی ہے کہ مشکلات بھی آئیں گی اور کربناک حالات بھی۔ اس راستے میں مال بھی لگانا ہے، جان بھی اور سارے ذرائع بھی، ہر چیز اس راستے میں جھونکنی ہے۔ پھر اس کے باوجود اگر مایوس کن حالات درپیش آئیں تو اس بات پر یقین بھی رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور آئے گی۔

تب پھر اللہ تعالیٰ کا حکم آتا ہے، دین کے مخالفوں پر ہلاکت آتی ہے اور مومنوں کو بچا لیا جاتا ہے، یوں اس جبر اور تشدد کے ماحول سے مومن نجات پا جاتے ہیں۔ اب پھر الٹا چکر چلتا ہے، جو بے بسی کل تک مومنوں کے حصے میں تھی اس بار وہ مجرموں کے حصے میں آتی ہے، تباہی و بربادی اُن کا مقدر بنتی ہے اور ان کی قوت پاش پاش ہو جاتی ہے، پھر ان کا کوئی ولی اور کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ کار کیوں وضع کیا؟

ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ سارے لوگ ہی ہدایت پر ہوتے اور سارے لوگ ہی بغیر کسی مشکل کے یہ سارے کام کر پاتے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ کار اس لئے وضع کیا ہے کہ اس کی مدد و نصرت کی بے قدری نہ ہو، وہ مدد اُس موڑ پر کرتا ہے جب انسان کو اپنے ارد گرد سے کوئی امید نہیں رہ جاتی۔ اللہ ربّ العزت لوگوں کو ان حالات میں سے اس لئے

گزارتے ہیں کہ اُس کی طرف بلانے والی دعوت مذاق کا نشانہ نہ بن جائے۔

اگر ایک انسان قربانیوں کے بغیر فتح حاصل کرنے کی خواہش کرے تو اس سے دعوتِ اسلامی کا مقصد پورا نہیں ہوتا، نہ ہی اِس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد پورا ہوتا ہے کیونکہ اسلامی انقلاب تبھی آتا ہے جب حق اور باطل کی کشمکش آخری موڑ تک پہنچ جاتی ہے۔ فقط دعویٰ کرنے والے لوگ انقلاب برپا نہیں کر سکتے، ہر دعوے کے پیچھے اُس کے لئے کوشش اور قربانی چاہیے۔

دین قربانیاں مانگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب قربانیاں مانگتا ہے۔

قربانی کے بغیر رب کا قرب نہیں ملتا۔

جو لوگ مشکلات میں عاجز آجاتے ہیں اور دین کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے نکل جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا کوئی سودے بازی نہیں ہے کہ جب تک اس کام میں کوئی پریشانی نہ ہو انسان یہ کام کرتا رہے اور بعد میں جب مشکلات پیش آئیں تو ان کاموں کو چھوڑ کر الگ ہو جائے۔ یہ ایک محدود وقت تک کا کام نہیں ہے، نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا کوئی تفریح کا کام ہے۔ یہ بڑا سنجیدہ کام ہے اور نہ ہی یہ کوئی تجارتی مفاد کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا تو حق اور باطل کی کشمکش کا معاملہ ہے اور جب کبھی ایسی کشمکش ہوتی ہے، عوام الناس اپنے مفاد کی طرف بھاگتے ہیں۔ اس وقت عوام الناس کو عوام الانعام کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اَنعام سے مراد ہیں جانور، جو نہ سوچیں، نہ سمجھیں، نہ اپنی عقل سے کام لیں، نہ اپنی آنکھوں سے، نہ اپنے کانوں سے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: